اقبال کا اسلامی ریاست کا تصور*

جسٹس کریم اللہ درانی

میں نے ''اقبال کا اسلامی ریاست کا تصور'' بطور موضوع اس لیے منتخب کیا ہے کہ پاکستانی اپنی حیات ملی کے سی سالہ دور میں خواہش وتمنا کے باوصف اپنی حیات ملی کا اسلوب متعین نہیں کر سکا۔ اگر چہ اس کے قیام سے بہت پہلے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے عزم کیا تھا کہ ایسا خطہ ارضی حاصل کریں کہ اس میں آباد مسلمانوں کو جو وہاں ایک قطعی اکثریت ہوں گے اپنی قومی وملی زندگی کے خدوخال اپنی مذہبی امنگوں اور دینی تقاضوں کے مطابق ابھارنے کا موقعہ حاصل ہو اور وہ بالآخر ایک ایسی دینی ریاست کے قیام کے قابل ہو جائیں جو ان کے عقیدے اور روحانی رجحان سے مطابقت رکھتی ہو، اور شاید اسی خواہش و ارادے نے ہمیشہ اس سیلاب کے آگے بند کا کام کیا ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس مملکت کو کسی اور راہ پر ڈالنے کے لیے کبھی کبھار امڈتا رہا ہے اس ملک میں ویسٹ منسٹر قسم کی جمہوریت کی جڑیں قائم نہ ہو سکنے کا ایک باعث بھی انغلباً یہی مخفی جذبہ رہا ہے اس امر سے قطع نظر کہ اس سلسلے میں کوئی قدم راست سمت کی جانب اب تک اٹھا ہے یا نہیں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملت پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے سے اس کے عناصر ترکیبی نے جو منزل اور مقصد اپنے لیے متعین کیا تھا اس کی تلاش میں اس کی روح مسلسل بھٹک رہی ہے اور انغلباً یہاں دستوری و جمہوری

اداروں کے عدم استحکام کا ایک سبب یہی تشنگی اور احساس محرومی بھی ہے اور آج جب

*21 اپریل 1980 کو منعقدہ یوم اقبال کے موقعہ پر پڑھا گیا

ایک بار پھر، عملاً نہ سہی قولاً ہی، ہم ایک ایسی نظریاتی مملکت کی تعمیر و تشکیل کے لیے کمر بستہ ہونے کا اظہار کر رہے ہیں حضرت علامہ اقبالؒ، جن کی دور بینی اور اصابت نظر و فکر کا خود پاکستان اپنے قیام کے لیے مرہون منت ہے، کے افکار کی روشنی میں اسلامی ریاست کے متعلق ان کا تصور اجاگر کرنا وقت کی ضرورت بن گیا ہے۔

حضرت علامہ کے پیغام کی افاقیت مسلمہ ہے یہ کسی خاص ملک سے متعلق نہیں ہے اور نہ ان کا پیغام کسی خاص زمانے سے تعلق رکھتا ہے ان کی شاعری آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جس طرح تخلیق کے وقت تھی، اور زمانہ نصف صدی گزر جانے پر بھی اس کی افادیت میں کوئی کمی پیدا نہیں کر سکا اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس پیغام کی ہمہ گیری افلاک و ماہتاب کی گردش کے ساتھ اسی طرح جاری و ساری رہے گی، جب تک یہ گردشیں زمانے میں جاری ہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علامہ اول و آخر مسلمان تھے ان کے لیے قرآن پاک ہی تمام رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے اور رسول اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہی مظہر تکمیل انسانیت ہے اور آپ کا لایا ہوا دین ہی زمانے کے دکھ کا مداوا اور انسانیت کی تمام تشنگیوں کے لیے آب حیواں ہے۔

اقبال اسلام کے پیغام میں مادی اور روحانی حدود میں کوئی امتیاز نہیں پاتے ان

کے نزدیک ''دنیائے مردار'' ایسی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی آپ مادی اور روحانی اقدار کے باہمی امتیاز وامتزاج کے متعلق اپنے مشہور خطبات مدراس کے چھٹے خطبے میں جو The Principle of movement in the Structure of Islam کے عنوان سے دیا گیا تھا فرماتے ہیں:

"In Islam the spiritual and the temporal are not two distinct domains, and the nature of an act, however secular in its import,"

علامہ اقبال Reconstruction of religious thought in islam ص 154

Is determined by the attitude of mind with which the agent does it. it is the invisible mental background of the act which ultimately determins its chracter. an act is temporal or profane if it is done in a spirit of detachment from the ifinite complexity of life behind it it is spiritual if it is inspired by thar complexity

ترجمہ اس کا یوں ہوگا:

''اسلام میں روحانیت اور مادیت دو الگ الگ اور ایک دوسرے سے غیر متعلق دائرے نہیں ہیں اور ہر فعل جس قدر مادی کیوں نہ ہو، اس کی اصل وہ ذہنی

کیفیت ہے جس کے تحت وہ فاعل سے ظہور پذیر ہوتا ہے یہ نظر نہ آنے والا ذہنی پس منظر ہی ہے جس سے ہر فعل کی با لآخر نوعیت متعین ہوتی ہے ہر وہ فعل مادی اور غیر مستحسن ہے جس کا محرک زندگی کے لامحدود تقاضوں اور سنجیدگیوں اور پیچیدگیوں سے فرار ہو اور ہر وہ فعل روحانی ہے جو ان تقاضوں یا پیچیدگیوں سے حرکت پذیر ہو۔"

اس مسئلے کی مزید وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"The ultimate reality, according to the quran, is spiritual and its life consists in its temporal activity. the spirit finds its opportunities in the natural, the material, the secular. all that is secular is, therefore, sacred in the roots of its being."

یعنی، حقیقت نامہ قرآن کی رو سے روحانی ہی ہے جو مادی عمل سے زندگی پاتی ہے روحانیت اپنے مواقع فطرت، مادیت اور غیر روحانیت میں حاصل کرتی ہے اس لیے ہر لادینی فعل اپنی اصل سے تقدس حاصل کر لیتا ہے۔

اقبال کے نزدیک ریاست محض انسانی جمعیت میں روحانیت کے استوار کے حصول کی ایک جہد ہے فرماتے ہیں:

"the essence of tauhid as a working idea, is equality, solidarity, and freedom. the state,

from the islamic standpoint, is an endavour to transform these ideal principles in to space-time forces an apiration to realize them ‘‘in a definite human organization

---

2 ایضاً، ص155　　3 ایضاً، ص154

یہ بات اردو میں یوں ہو گی یہ رمز لا الہ یعنی توحید کی روح کو جو ایک عملی تصور کے طور پر مساوات، حریت اور اخوت ہے زمانی و مکانی قوتوں میں اظہار کی ایک سعی ہے یہ ان روحانی اقدار کے ایک انسانی تنظیم میں حصول کی خواہش کی تعبیر ہے۔

اقبال کے نزدیک سلطان کے لیے ظل اللہ اور ظل سبحانی ہونے کا تصور جو ایک مفروضہ ہے، ریاست کے مزاج کے دینی ہونے سے اخذ نہیں ہوتا اور نہ اس تصور سے ریاست دینی مزاج حاصل کرتی ہے فرماتے ہیں:

It is in this sence alone that the state in ” Islam is a theocracy, not in the sense that it is haded by a respresintativ e of god on earth who can always screen his despotic will behind ‘‘his supposed infallibilty

یعنی صرف انہی معانی میں اسلام میں ریاست دینی ہے، نہ کہ اس بنا پر کہ اس کا سربراہ اللہ تعالی کا کرہ ارض پر نمائندہ ہوتا ہے جو ہمیشہ اپنے آمرانہ افعال کے لیے

معصومیت کے مفروضہ پردوں میں پناہ لیتا ہے۔

اب چونکہ اسلامی ریاست کے بنیادی تصورات، حریت، مساوات اور استحکام، توحید کے نظریے سے حاصل ہوتے ہیں، اس لیے یہ ارتقائے عالم انسانی کے غیر محدود امکانات کے حامل ہوتے ہیں اور اس ضمن میں رنگ، نسل اور جغرافیہ کی تمام حدود کو پائمال کر کے تمام انسانیت کو اللہ کا کنبہ بنا دیتے ہیں بجوائے حدیث شریف ''الخلق عیال اللہ'' کہ اس طرح مسلم معاشرے کے تمام افراد پر لازم ہے کہ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی عمل سے عقیدہ توحید کے تحت ان تصوراتی حقیقتوں کو تمام عالم انسانی میں اس وقت تک جاری و ساری رکھنے کی سعی کرتے رہیں جب تک تمام عالم ان نظریات کو اپنا نہیں لیتا۔

صدا نوا داری چو خوں در تن رواں
خیز و مضراب بہ تار او رساں
زآنگہ در تکبیر راز بود تست
حفظ و نشر لا الہ مقصود تست

---

4 ایضاً، ص 155

تا نہ خیزد بانگ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

اور پھر اس سبق کی تکراریوں کرتے ہیں

می ندائی آیہ ام الکتاب
امت عادل ترا آمد خطاب

''کنتم خیر امۃ اخرجت للناس'' (تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے نکالے گئے) اور ''ولا یجرمنکم شنان وقوم علی الا تعدلوا اعدلو من ھو اقرب للتقویٰ'' (اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس طرف نہ لے جائے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے)

آب و تاب چہرہ ایام تو
در جہاں شاہد علی الاقوام تو

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ
از علوم امیے پیغام دہ

ان نظریات کو اپنانے کا ہی ایک منطقی نتیجہ تھا کہ جب اسلامی ریاست کے ایک صوبے مصر میں وہاں کے عامل حضرت عمرو بن العاصؓ کے لڑکے نے مفتوح قوم قبطی کے ایک ذمی فرد کو بے قصور چانٹا مار دیا تو مرکز خلافت نے اس ذمی کی دادرسی میں تمام جاہ حکومت اور سیاسی حکمت عملی کے مفروضہ تقاضوں کو نظر انداز کر کے اسے چانٹے کا قصاص دلوایا اور اس قصاص دلوانے میں حضرت عمر فاروقؓ کی زبان پر، تاریخی جملہ آیا جو زمانے نے محفوظ کر لیا کہ '' آدمی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوتا ہے تم نے آزاد کو غلام کیسے سمجھ لیا؟''

یہ رمز توحید سے وجود میں آنے والی ریاست اپنے ہر شہری کو وہ مقام بخشتی ہے جو بحیثیت ایک مرد حر کے بلا امتیاز عہدہ و مرتبہ اسے باقی تمام افراد معاشرہ کے اس طرح ہم سر اور مثیل بنا دیتا ہے کہ ایک عام مسلمان کا وعدہ تمام ریاست کے لیے

ایک مقدس امانت بن جاتا ہے اس دعوے کی دلیل میں حضرت علامہ ''رموز بے خودی'' میں سالار لشکر عجم جابان کے ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے اور

---

5 ''کلیات اقبال فارسی'' (''رموز بے خودی'') ص 139

6 ایضاً 7 ایضاً

اپنی شخصیت کو اخفا میں رکھتے ہوئے جان کی امان اس لشکری سے حاصل کر لینے کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جب اس کی اصل شخصیت ظاہر ہوگئی کہ سب سے بڑا دشمن اسلام اور کسریٰ کی طاقت کا ستون تھا اور اہل لشکر نے اس کے قتل کا علے الرغم مذکورہ امان مطالبہ کیا تو امیر لشکر امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی زبان سے یہ اصول بیان فرماتے ہیں:

گفت اے یاراں مسلمانیم ما
تار چنگیم و یک آہنگیم ما
نعرہ حیدر نسوائے بوذرؓ است
گرچہ از حلق بلالؓ و قنبرؓ است
ہر یکے از ما امین ملت است
صلح و کینش، صلح و کین ملت است
ملت ار گردد اساس جان فرد
عہد ملت می شود پیمان فرد
گرچہ جاباں دشمن ما بودہ است

مسلمے او را اماں بخشودہ است
خون او اے معشر خیر الانام
بر دم تیغ مسلماناں حرام

اور یہ فرد کا پیمان ریاست کے لیے مقدس اور ملت کے لیے اس کا اپنا اجتماعی عہد اس لیے بن جاتا ہے کہ:

فرد و قوم آئینہ یک دیگرانہ
ملک و گوہر، کہکشان و اختر اند
فرد می گیرد زملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام

فرد اور ملت کا یہ ارتباط ہی اسلامی ریاست کی اصل قوت اور عظمت ہوتا ہے اور ملت کی حیات کا کمال یہ ہے کہ ملت فرد کی طرح احساس خودی پیدا کرے اور اس احساس کی تولید و تکمیل ضبط و روایات ملی سے ممکن ہوتی ہے اقبال کے نزدیک حیات ملی تسخیر قوائے نظام عالم ہے

---

8 ایضاً، ص 106 9 ایضاً، ص 84

جستجو را محکم از تدبیر کن
انفس و آفاق را تسخیر کن

اور

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد
عالمے از ذرہ تعمیر کردار

اس تسخیر قوائے نظام عالم کے نتیجے میں ملت اپنے لیے جہان تازہ تعمیر کرتی ہے جو جہان اس کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہے، جہاں ظلم و استبداد کا وجود نہیں ہوتا، جو جبر و استحصال سے نا آشنا اور انسانیت کے شرف و عظمت کا آئینہ دار ہوتا ہے اس جہاں میں فرد کی ذات میں ایسی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ مہ و ستارہ اس کے حلقہ کمند میں محصور ہو جاتے ہیں

غایتش توسیع ذات مسلم است
امتحان ممکنات مسلم است

اور جس طرح ہر ریاست کے لیے ضبط و نظم آئین مہیا کرتا ہے اسلامی ریاست بھی اپنا آئین رکھتی ہے، اور جس ملت کے ہاتھ سے اس کا آئین نکل جاتا ہے وہ خاک کے ذروں کی مانند بکھر کر اپنی ہستی کھو دیتی ہے

ملتے را رفت چوں آئیں زدست
مثل خاک اجزائے او ازہم شکست

مسلم معاشرہ بھی اپنی سیاسی ہستی اور بقا کے لیے آئین کا محتاج ہے

ہستی مسلم ز آئین امت و بس
باطن دین نبیؐ ایں است و بس

کہ نظم ہستی آئین سے عبارت ہے

برگ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد
گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد

---

10 ایضاً، ص 142 11 ایضاً، ص 141

12 ایضاً، ص 142　　13 ایضاً، ص 121

14 ایضاً　　15 ایضاً

اسلامی ریاست کو یہ آئین میسر ہے قرآن سے

آں　　کتاب　　زندہ　　قرآن　　حکیم
حکمت　　او　　لایزال　　است　　و　　قدیم

نسخہ　　اسرار　　تکوین　　حیات
بے　　ثبات　　از　　قوتش　　گیرد　　ثبات

اور

نوع　　انساں　　را　　پیام　　آخریں
حامل　　اور　　رحمۃ　　اللعالمینؐ

گر　　تو می　　خواہی　　مسلماں　　زیستن
نیست　　ممکن　　جز بہ　　قرآن　　زیستن

اور قرآن کیا ہے؟

چست　　قرآن؟　　خولبہ　　را　　پیغام　　مرگ
دستگیر　　بندہ　　بے　　ساز　　و　　برگ!

فاش　　گویم　　آنچہ　　در　　دل　　مضمر　　است

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

اور جب اسلامی ریاست کا دستور و آئین قرآن سے شکل پذیر ہوتا ہے اور اسی پیام آخریں سے جو نوع انسانی کو دیا گیا سیاست کے تصورات اخذ کرتا ہے تو اس ریاست میں میر و فقیر، راعی و رعایا اور حاکم و محکوم کے درمیان تفریق مراتب نہیں ہوتی اور توحید الٰہی سے مستنبط، مساوات، اخوت و حریت کا لازمی نتیجہ اس یک رنگی اور ہم آہنگی میں ظاہر ہوتا ہے کہ:

پیش قرآں بندہ و مالا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

اور ایک معمار کی ظلماً دست تراشی سلطان مراد کا ہاتھ قصاص میں کاٹ دینے کا حکم ریاست کے قاضی سے صادر کرا دیتی ہے کیونکہ

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگیں تر از معمار نیست

---

16 ایضاً 17 ایضاً، ص 122-123

18 ایضاً (''جاوید نامہ'') ص 228-229

19 ایضاً (''رموز بے خودی'') ص 108

20 ایضاً

پادشاہت کا تقدس، سلطان کا ظل الٰہی ہونے کا تخیل، خانوادہ شاہی کے نیلگوں خون (Blue blood) کا تصور سب پاش پاش ہیں کہ سروری در دین ما

خدمت گری است سید القوم خادمھم

یہ ریاست جو اپنے وجود کا تانا بانا قرآن کے مہیا کردہ عناصر سے بنتی ہے اپنے امور کی سرانجامی باہمی مشاورت پر استوار کرتی ہے ''وامرھم شوریٰ بینھم'' (ان کے معاملات باہمی مشورہ سے سرانجام پاتے ہیں) اور ''وشاورھم فی الامر'' فاذا عزمت فتوکل علی اللہ، ان اللہ یحب المتوکلین (اور اے نبیؐ! اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیجئے کام میں اور پھر قصد ہو جائے (بات طے پا جائے) تو پھر بھروسا کر اللہ پر، اللہ کو محبت ہے توکل کرنے والوں سے) لیکن یہ باہمی مشاورت اقبال کے نزدیک عصر حاضر کی معروف طرز جمہوری نہیں ہے جو افراد کو تعداد کے جبر کا شکار بناتی ہے اور ایک گروہ کی مرضی و منشا کو محض کثرت تعداد کے بل بوتے پر کم تعداد والوں پر جاری و نافذ کر کے ان کی خودی کو پائمال کر دیتی ہے اور انسانوں کے ایک گروہ کی دوسرے گروہ کے ہاتھوں آزادی و حریت کی نعمتوں سے محرومی میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ محض افراد کا شمار معاشرے کی فلاح کا باعث نہیں بن سکتا اس لیے اکثر دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب رہتا ہے

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

اس لیے محض شمار افراد سے پیدا ہونے والی ہیئت سیاسیہ کو اقبال اسلامی ریاست کی اساس کار بنانے کے قائل نہیں ہیں کہ اس سے انسان پر انسان کا جبر تو پیدا ہوتا ہے اجتماعی خودی کی نشوونما کی تکمیل ممکن نہیں رہتی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال ایک طرف شاہی، آمریت اور جاگیرداری

کے دشمن ہیں اور فرد کی خودی اور اس سے پیدا ہونے والی عظمت کے قائل ہیں اور دوسری طرف عصری تصور جمہوریت کو اساس

21 ایضاً (''پیام مشرق'') ص 190

22 ایضاً، ص 205

ریاست اسلامی بنانے کے روادار بھی نہیں ہیں اور قرآن کو آئین حفظ ملت ٹھہراتے ہیں تو کیا اس سے ان کی مراد وقدامت پرستی ہے کہ ریاست اسلامی صرف ان معنوں میں دینی ہے کہ اس پر ان عناصر کی اجارہ داری رہے جن کی ستم شعاری سے وہ خود مدت العمر نالاں رہے اور جس میں سے ایک گروہ کی کوتاہ فہمی وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

یا جس کے متعلق اس کا یہ فتویٰ ہے ملافی سبیل اللہ فساد یا اس دوسرے عنصر کو اس کی تقدیر کا مالک بناتے ہیں جس کے فلسفے کو وہ ہمیشہ فلسفہ بزی کہتے رہے اور جس خانقاہی تصوف کے مسکرات کے اثرات سے مسلمان کو بچانے کے لیے تلخ نوائی پر مجبور ہوئے؟ اور کیا اقبال آزاد مسلم معاشرے کو محض ماضی کے افکار ورسوم کے تنگ دائرے میں محصور رکھنا چاہتے ہیں؟ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ ''جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی!''

اس کا جواب یہ ہے کہ اقبال ملی تقاضوں، عصری ضروریات اور ملت کے اسلوب حیات کو کسی طور اور کسی طرح قرآن پاک کی بنیادی حقیقتوں سے متصادم

نہیں پاتے انہیں اسلام میں کہیں بھی جمود کا سراغ نہیں ملتا جو سکوت مرگ اور فکری انجماد انہیں مسلم معاشروں میں نظر آتا ہے وہ ان کے نزدیک ایسی قید یا تحدید کا نتیجہ نہیں ہے جو دین نے عائد کی ہو یا پیدا کی ہو، بلکہ یہ ان معاشروں کے افراد کی دوں ہمتی کا نتیجہ ہے ورنہ اقبال کے نزدیک اسلام وہ زندہ و تابندہ دستور حیات ہے جو سکون و جمود سے نا آشنا اور انسانی فکر و شعور کی تمام ارتقائی منزلوں میں اس کا ساتھ دیتا ہے اسی لیے اسلام کے وجود میں اقبال کو حرکت کے تصور کی نفی نہیں ملتی اسی لیے وہ السبہیات کی تشکیل جدید

23 ''کلیات اقبال اردو'' (''ضرب کلیم'') ص 498

24 ''کلیات اقبال فارسی'' (''جاوید نامہ'') ص 224

25 ''کلیاب اقبال اردو'' (''بانگ درا'') ص 259

کے نقیب ہیں اور اسلام میں حرکی تصور پیش کرتے ہیں اور خواہاں ہیں کہ مرور زمانہ کی بدولت پیدا ہونے والے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی وہ سعی و کوشش ایک بار پھر جاری ہونی چاہیے جو تیسری صدی ہجری کی علمی کاوشوں سے فقہ اسلامی کی تدوین کی صورت میں نمایاں ہوئی دوسرے معنوں میں اقبال اجتہاد کی روح کے مسلم ریاست میں قائم و دائم رہنے کے قائل ہیں، مگر وہ اجتہاد کا حق ہر کہ و مہ یا کسی سیاسی ہیئت یا مقننہ قسم کے اداروں کو دینے کے روادار بھی نہیں ہیں انہیں علم ہے کہ اس زمانے میں انتخاب کے ذریعے یا دوسرے ذرائع سے جو ہیئت حاکمہ اور ہیئت مقننہ وجود میں آتی ہے اس کے ارکان کی اکثریت اسلام کی روح سے نا آشنا اور دین کے بنیادی تقاضوں سے ناواقف ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ادارے فقہ

اسلامی کی تدوین جدید، جو لازماً اپنی بنیادی ضرورت کے طور پر اجتہاد کی متقاضی ہے، کے اہل نہیں ہیں، اس ضمن میں اقبال نے ایران کے 1906 کے آئین میں ایرانی مقننہ یا مجلس میں علما کی نمائندگی اور انہیں قانون سازی پر نگران حیثیت حاصل ہونے کا دوسرے مذاہب فکر رکھنے والے اسلامی معاشروں سے تقابلی جائزہ لیا ہے اور ایران کے مخصوص طرز فکر میں کہ علما غیبت امام میں امام غائب کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے مناسب حال تصور فرماتے ہوئے باقی عالم اسلام کے لیے یکساں ممکن العمل اس لیے نہیں پایا کہ دوسرے مذاہب فکر میں علما کو وہ مقام تقدس حاصل نہیں ہے۔

وہ اس کا ایک حل یہ بتاتے ہیں کہ مسلم ریاست کی پارلیمنٹوں میں ایسے اصحاب کی انتخاب یا کسی اور ذریعے سے موثر نمائندگی ہونی چاہیے جو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے عمرانی مسائل سے آشنا اور علوم جدید سے بھی اتنے ہی آگاہ ہوں جتنی وسعت نظر انہیں علوم دینیہ میں حاصل ہو اور اس قسم کے طبقہ فکر کے میسر آنے کے لیے سامان ایسے اداروں میں پاتے ہیں جہاں اسلامی اصول فقہ کی تدریس میں ایسی وسعت مہیا ہو جو عصری مرجعیہ غیر اسلامی قانون و اصول قانون کے مطالعے کا موقعہ بھی بہم پہنچاتی ہو۔

اقبال اسلامی ریاست کے وجود کو الہیات کی تشکیل جدید کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے قدم قدروں اور اداروں کا معدوم ہونا بھی گوارہ نہیں کرتے اور بالکل بجا طور پر ماضی سے یک قلم رشتہ قطع کر دینے کے حق میں نہیں ہیں جو تجربہ اتاترک کی اصلاحی تحریک میں ملت ترکیہ نے کیا، وہ اس سے متفق نہیں ہیں

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

وہ اس ضمن میں یہ تنبیہہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں

No people can afford to reject their past entrely for it is their past that has made their personal identity and in a society like islam the problem of a revision of old instituions becomes still more delicate, and the responsibility of the reformer assumes a far more serious aspect. islam is non territorial in its chracter and its aim is to furnish a model for the final combination of humanity by drawing its adhents from a variety of mutually repellent races, and then transforming this atomic aggregate in to a people possessing a self consciousness of their own

اردو میں یہ کلیہ اس طرح بیان ہوسکتا ہے ''کوئی قوم اپنے ماضی سے مطلقاً رشتہ منقطع نہیں کرسکتی یہ اس کا ماضی ہی ہوتا ہے جس سے اس کا تشخص قائم ہے اسلام کی طرح کے معاشروں میں تو قدیم اداروں کی تشکیل جدید نہایت نازک مسئلہ ہوتی

ہے اور مصلح کی اس بارے میں ذمہ داری بڑی عظیم اور نازک اور ہم رخ اختیار کر لیتی ہے اسلام اپنے مزاج میں علاقائی نہیں ہے اس کا مقصد وحید تو یہ ہے کہ تمام انسانیت کے اشتراک کے لیے ایسا نمونہ قائم اور پیش کرے جس میں مختلف نسل اور باہمی متحارب معاشروں سے اس کے پیروکار افراد کھچ کر ایک نقطے پر جمع ہو جائیں اور یہ اجتماع ایک ایسی جمعیت میں ڈھل جائے جو اپنے مخصوص مزاج کی خود آگاہی سے پوری طرح سرشار ہو۔''

آج اس کلیے کی صداقت جدید ترکیہ اور ایران کے فکری اور سیاسی رجحانات نے کس قدر وضاحت سے ثابت کر دی ہے۔

---

27 ایضاً (''ضرب کلیم'') ص 20

---

28 علامہ اقبال، Reconstruction، ص 127

☆☆☆☆☆